کاروانِ بنوری ٹاؤن کی متاعِ عزیز

مفتی رفیق احمد بالاکوٹی
استاذ جامعہ علوم اسلامیہ بنوری ٹاؤن

مولانا عطاء الرحمٰن شہیدؒ کا سوانحی خاکہ

۱۹۶۰ء ۶/اگست کو بابوزئی مردان میں محترم جناب الحاج مشفق الرحمٰن صاحب کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت خاصہ سے نوازتے ہوئے ایک فرزندِ ارجمند عطا فرمایا، اس رحمت خاصہ کے شکر و امتنان میں اس نومولود کا نام ''عطاء الرحمٰن'' رکھا گیا۔

۴-۱۹۶۳ء کو ۳،۴ سال کی عمر میں گہوارۂ مادر سے گہوارۂ علم میں آنا جانا شروع کیا، خاندان اور گھرانے کی دینی روایت کے مطابق محلّہ کی مسجد میں اپنے والد گرامی اور دادا جان سے قاعدہ، ناظرہ اور فارسی کی ابتدائی تعلیم حاصل کی۔

۱۹۶۴ء میں گھر سے ذرا فاصلہ پر واقع اسکول میں داخل ہوئے، اسکول میں بھی گھر کا دینی اثر نمایاں رہا، اسکول کی تمام دینی سرگرمیوں میں سب سے آگے آگے رہے، بلکہ تلاوت، نعت یا نظم اور نماز تک تمام دینی امور کی ذمہ داری تکوینی طور پر آپ کے حصے میں رہی۔ یہ سلسلہ ہائی اسکول کے زمانے تک جاری رہا، بلکہ اس کے ساتھ خاندانی خداداد قابلیت ولیاقت کی بناء پر دیگر تعلیمی سرگرمیوں کا نمایاں مقام بھی آپ کے لئے خاص رہا۔

۱۹۷۶ء میں گورنمنٹ ہائی اسکول بابوزئی سے میٹرک کا امتحان امتیازی نمبرات کے ساتھ پاس کیا۔ بعد ازاں کراچی یونیورسٹی سے ایم اے تک عصری تعلیم پرائیویٹ حیثیت میں حاصل کی، انگریزی اور جدید تعلیم کے حامل ہونے کے باجود الحمد للہ! انگریزیت اور جدیدیت کی آلودگی سے پاک صاف رہے جو اکابر جامعہ کی کرامت اور آپ کی گھریلو دینی تربیت کا اثر تھا۔

۱۹۷۷ء میں اپنے دادا جان حضرت مولانا عبد السبحان عرف باباجی رحمہ اللہ، فاضل سہارنپور کی ہدایت اور اپنے والدین ماجدین کی دینی آرزو کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اپنے علاقہ

کے ایک نامی گرامی عالم دین حضرت مولانا امین گل صاحب رحمہ اللہ اور حضرت مولانا محمد احمد صاحب رحمہ اللہ کے پاس درس نظامی کا آغاز کرنے کے لئے دارالعلوم شیرگڑھ مردان میں داخلہ لیا، ابتدائی درجات وہاں پڑھنے کے بعد کراچی کا رخ کیا، جس میں دارالعلوم شیرگڑھ کے ناظم تعلیمات حضرت مولانا غلام یحییٰ صاحب دامت برکاتہم کی رائے اور مشورہ بھی شامل تھا، انہوں نے آپ کے دادا جان کی دارالعلوم شیرگڑھ آمد پر مشورہ دیا کہ یہ بچہ بہت ذہین ہے اسے کراچی کا تعلیمی ماحول ملنا چاہئے۔

۱۹۷۸ء میں اپنے دادا جان کی خصوصی ہدایت وخواہش اور اپنے اساتذہ کے مشوروں کے مطابق حضرت بنوری رحمہ اللہ کے شجرۂ علمیہ سے خوشہ چینی کی غرض سے کراچی کے لئے عازم سفر ہوئے۔

۱۳۹۸ھ شوال المکرّم سے مدرسہ عربیہ اسلامیہ نیوٹاؤن حال جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن میں درجہ ثالثہ میں داخل ہوئے اور اس کے بعد درس نظامی کا مکمل نصاب یہیں پورا فرمایا۔

۱۹۷۹ء کو آپ درجہ رابعہ کا امتحان دے کر گھر گئے اور اولاد میں بڑے ہونے کی بناء پر بڑوں نے آپ کی شادی خانہ آبادی کا فیصلہ فرمایا، چنانچہ آپ کے گھرانے کی لائق تقلید روایت کے مطابق نہایت سادگی کے ساتھ آپ کی ایک پھوپھی صاحبہ (مولانا انعام اللہ صاحب مدظلہ کی والدہ مرحومہ) کے ہاں آپ کی شادی ہوئی، اللہ تعالیٰ نے اس سادہ اور بے تکلف شادی کو ''أعظم النکاح برکةً أیسرها مؤنة'' کا مصداق بنایا۔

آپ کی اہلیہ محترمہ، ہماری استانی صاحبہ کو اللہ تعالیٰ نے صبر، شکر، حوصلہ وہمت، کفایت شعاری، خداترسی اور پارسائی کے اعلیٰ اوصاف کی مالکہ بنایا ہے، جس کا واضح اثر آپ کی اولاد کے کردار وعمل میں محسوس ہوتا ہے۔ حضرت شیخ عطاء رحمہ اللہ کی شہادت کی خبر جب انہیں ملی تو انہوں نے نسوانی فطری کمزوری کا مظاہرہ کرتے ہوئے آہ وبکا اور جزع وفزع کے بجائے باوضو ہوکر مصلی بچھایا اور انتہائی صبر وتحمل کے ساتھ نماز، دعا اور تلاوت میں مصروف ہوگئیں، جب کہ اس سخت مرحلے میں بڑے بڑے حوصلہ مند مردوں کے ضبط بھی ٹوٹ جایا کرتے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ نے ہماری استانی صاحبہ کو نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد گرامی ''الصبر عند الصدمة الأولی'' کا عملی مصداق بننے کا اعزاز بخشا۔ دکھ درد کی دنیا میں یہ اعزاز شاید ہی کسی ماں، بہن یا بیٹی کو نصیب ہوا ہو۔ یہ اعزاز طبعی و وہبی بھی ہوسکتا ہے، مگر اسے اس عملی تربیت کا نتیجہ بھی کہا جاسکتا ہے جس کا مجسم نمونہ اسی (۸۰) سالہ ضعیف العمر صاحب فراش بزرگ والد کی صورت میں ان کے گھر میں موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں صحت وتندرستی اور عافیت سے نوازے۔ آمین

۱۹۸۳ء ۱۱/اپریل کو آپ کے ہاں پہلے صاحبزادے کی ولادت ہوئی، جن کا نام مسیح

الرحمن رکھا گیا، جو جامعہ علوم اسلامیہ علامہ بنوری ٹاؤن کے فاضل و متخصص ہیں، مولانا مسیح الرحمن جب فاضل ہوئے تھے، اس وقت حضرت استاذ محترم، ناظم تعلیمات اور استاذ الحدیث تھے۔ مسیح الرحمن صاحب دورے کے بعد تخصص کرنا چاہتے تھے، مگر ساتھ ہی بیرون ملک کسی اسلامی یونیورسٹی میں داخلے کے لئے کاغذات بھی بھیج چکے تھے۔ ان کا خیال یہ تھا کہ اگر باہر داخلہ ہو گیا تو تخصص چھوڑ کر باہر چلے جائیں گے، ورنہ تخصص مکمل کرلیں گے، انتظار میں سال ضائع ہونے سے بچ جائے گا۔ مسیح نے اس رائے پر اپنے دادا جان سے تائید بھی لے لی تھی، مگر جامعہ کے ضابطہ کے مطابق اس طرح کرنا معیوب ہی نہیں، ممنوع بھی تھا، اس لئے ناظم تعلیمات صاحب نے اپنے بیٹے کے مقابلے میں جامعہ کے ضابطہ کا پاس رکھتے ہوئے بڑی سختی سے انہیں منع کر دیا اور فرمایا کہ جامعہ کو ''انتظار گاہ'' کے طور پر استعمال کرنا میرے نزدیک جرم ہے، میں اس کی اجازت نہیں دے سکتا۔ اتفاق سے مسیح الرحمن کا بیرون ملک جانے کا پروگرام نہ بن سکا، ادھر جامعہ میں تخصص کے داخلہ کا مقررہ وقت بھی گزر چکا تھا، اس لئے اس سال حضرت ناظم تعلیمات صاحب کے صاحبزادے تخصص میں داخلہ سے محروم ہوئے اور اگلے سال تک گھر بیٹھ کر انتظار کرنا پڑا، مجھے یقین بلکہ مشاہدہ بھی ہے کہ اگر یہ معمولی تاخیر کسی اور استاذ کے صاحبزادے سے ہوتی، یا مسیح الرحمن کی جگہ اس جیسا شریف وخلیق کوئی بھی غیر معروف اور بے تعلق طالب علم ہوتا تو حضرت ناظم تعلیمات صاحب اس کے لئے للہ فی اللہ سفارشی ہوتے اور اسے اپنے اختیارات کے ذریعہ نہیں، بلکہ سفارش کے ذریعہ تخصص میں داخلہ دلوادیتے، مگر مسیح الرحمن کے بارے میں ''شطر کلمہ'' بھی زبان پر نہ لائے، آپ کا یہ طرزِ عمل ایک ضابطۂ حیات کا نتیجہ تھا، وہ یہ کہ آپ نے اپنی صاف شفاف عملی زندگی کو کبھی ''اقربا پروری'' کی ہوا نہیں لگنے دی، ''اقربا پروری'' سے دوری اور خودداری حضرت استاذ محترم کے نمایاں اوصاف تھے، آپ کے ان دو اصولوں کا واضح اور نمایاں اثر آپ کی اولاد کے رہن سہن، رویوں اور برتاؤ سے بھی جھلکتا ہے، جامعہ کی عملی زندگی میں ہم نے آپ کے بچوں کو اس احساس سے ہمیشہ خالی بلکہ کوسوں دور پایا کہ وہ ہمارے کسی بڑے ذمہ دار یا استاذ کے صاحبزادے ہیں۔ ادب واحترام، اخلاق ومروت اور شرم وحیاء میں حضرت استاذ محترم کی اولاد خاندانی شرافت کی آئینہ دار ہے۔ ہم دعا اور آرزو کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اور تمام اساتذہ کے بچوں کو ادب واحترام، نیکی وصلاح اور اخلاق ومروت میں حضرت الشیخ مولانا عطاء الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بچوں کی طرح بنادے۔...... آمین

۱۹۸۶ء ۲۸ر جنوری کو حضرت شیخ عطاء رحمۃ اللہ علیہ کے دوسرے صاحبزادے فصیح الرحمن کی ولادت ہوئی، جو گذشتہ سال (۱۴۳۲ھ) دورہ حدیث کے سالانہ امتحان میں وفاق المدارس میں اول آئے ہیں، اس وقت وہ درجہ تخصصِ فقہِ اسلامی سال اول میں زیر تعلیم ہیں، ان کا تعارف،

ان کی تعلیمی وعملی کارکردگی ہے، میں بحیثیت استاذ اور سخت گیر منتظم، الحمد للہ فصیح الرحمن سے مطمئن اور خوش ہوں، اس سے زیادہ کچھ کہنا فی الحال مناسب نہیں ہے۔

۱۹۹۱ء ۵/جنوری کو حضرت استاذ محترم رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں تیسرے بیٹے کی ولادت ہوئی، جن کا نام جمیل الرحمن رکھا گیا، وہ اس وقت درجہ خامسہ میں زیر تعلیم ہیں، اللہ تعالیٰ انہیں بھی اپنے بھائیوں کی طرح کامیاب طالب علم اور کامران فاضل بنائے……آمین

۱۹۹۵ء ۲۸/ستمبر کو حضرت استاذ محترم رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں چوتھے بیٹے ملیح الرحمن کی پیدائش ہوئی، جو گذشتہ سال حفظ قرآن کریم مکمل کرنے کے بعد اس وقت درجہ اولیٰ میں زیر تعلیم ہیں، اللہ تعالیٰ ان کے تعلیمی مراحل بحسن وخوبی مکمل فرمائے اور انہیں اعلیٰ کامیابیوں سے ہم کنار فرمائے……آمین

۱۹۸۳ء-۱۴۰۳ھ میں حضرت مولانا عطاء الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جامعہ سے فراغت کی فضیلت، فاضلانہ حیثیت سے حاصل فرمائی اور اپنی بہترین تعلیمی کارکردگی کی بنیاد پر اپنے مشائخ کے منظور نظر ثابت ہوئے۔ آپ کے نامور اساتذہ میں مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی، حضرت مولانا محمد ادریس میرٹھی، حضرت مولانا مفتی احمد الرحمن، حضرت مولانا محمد سواتی، مولانا بدیع الزمان، حضرت مولانا ڈاکٹر حبیب اللہ مختار شہید، مولانا سید مصباح اللہ شاہ، حضرت مولانا محمد امین اورکزئی شہید، حضرت مولانا عبد القیوم رحمہم اللہ اور حضرت مولانا ڈاکٹر عبد الرزاق اسکندر، حضرت مولانا رضاء الحق، حضرت مولانا محمد انور بدخشانی ادام اللہ فیوضہم جیسے جبال العلم شامل ہیں۔

۱۹۸۴ء-۱۴۰۴ھ کو مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی ولی حسن ٹونکی رحمہ اللہ سے تخصص فقہِ اسلامی کا کورس پڑھا، علم حدیث کی طرح علم فقہ وفتویٰ میں بھی حضرت مفتی ولی حسن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی علمی وفنی مہارتوں کو اپنے اندر جذب کرنے میں کامیاب رہے اور عرصہ تک حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے زیر نگرانی دار الافتاء میں فتویٰ نویسی کا کام انجام دیتے رہے، حضرت مفتی ولی حسن ٹونکی رحمۃ اللہ علیہ سے والہانہ عقیدت ومحبت کا سرمایۂ گراں مایہ بھی خوب خوب سمیٹا، یہاں تک کہ آپ کے علوم وفنون کے علاوہ آپ کی عادات اور اداؤں کا گہرا عکس بھی اپنے ساتھ لے لیا، جس سے زندگی بھر خود بھی لطف اندوز ہوتے رہے اور اپنے تلامذہ کو بھی محظوظ فرماتے رہے۔

تخصص کے تعلیمی دورانیہ کے اختتام پر اپنے علاقے کی طرف روانہ ہوئے، مگر اپنے مشائخ کی نگاہِ انتخاب کے سامنے ہی رہے، چنانچہ اس گوہر نایاب کو جامعہ کے علمی وتدریسی افق پر درخشاں ستارہ محسوس کرتے ہوئے اکابر نے جامعہ میں آپ کے تقرر کا غائبانہ فیصلہ صادر فرمایا اور بذریعہ خط اس کی اطلاع آپ کو بھجوائی گئی، اکابر کے فیصلے بلکہ حکم کی تعمیل کرتے ہوئے اگلے تعلیمی سال میں واپس جامعہ آئے۔

۱۹۸۵ء/ ۱۴۰۵ھ کو ابتدائی مشورے کے مطابق آپ کا تقرر جامعہ کی پہلی اور قدیم شاخ مدرسہ تعلیم الاسلام گلشن عمر سہراب گوٹھ کے لئے ہوا، مگر اس پر عمل سے پہلے ہی اکابر کو یہ توارد ہوا کہ یہ ''عطاء خداوندی'' شاخ سے زیادہ مرکز کے لئے سجتی اور جچتی ہے، یہ توارد مستقبل اور غیب کا علم رکھنے والے کی طرف سے گویا الہام تھا کہ مرکز (بنوری ٹاؤن) کو آگے چل کر مرکزیت کے حامل ایسے چہروں کی ضرورت ہوگی، چنانچہ شیخ عطاء رحمہ اللہ جس سج دھج سے اس مرکز علم وعرفان کا مرکز و محور بن کے رہے، وہ آفتاب نیمروز کی مانند آسمانِ علم پر ثبت ہے۔

بہرحال آپ نے تدریس اور انتظام کی بعض ذمہ داریوں کے ساتھ جامعہ میں عملی زندگی کا آغاز فرمایا، اعدادیات سے لیکر دورہ حدیث تک درس نظامی کے مختلف علوم اور فنون، کمال مہارت اور عمدہ محنت سے پڑھائے، تدریس کے منفرد جاذب انداز اور حاذق ونباض منتظم ہونے کی بنا پر ہر دور میں اپنے اکابر ومشائخ کے منظور نظر اور معتمد خاص رہے، اسی بناء پر شروع ہی سے آپ جامعہ کی مجلس تعلیمی کے فعال رکن کے طور پر جامعہ کے تعلیمی نظم میں دخیل رہے اور اپنے مشائخ کے دست وبازو بنے رہے۔

۱۹۸۸ء میں شہر کے مرکزی مقام صدر کی جامع مسجد صالح میں آپ کا بحیثیت امام وخطیب تقرر ہوا۔ یہ اس زمانے کی بات ہے، جامعہ کی طرف سے منتظمین کے لئے بیرون جامعہ کسی قسم کی مصروفیت اختیار کرنا سخت ممنوع تھا، مگر آپ کا انتخاب اور تقرر اس وقت کے مہتمم حضرت مولانا مفتی احمد الرحمن رحمۃ اللہ علیہ نے خود فرمایا تھا، چنانچہ اس امامت وخطابت کے باجود آپ جامعہ کی طرف سے اپنی مفوضہ انتظامی ذمہ داریوں اور تدریس کے لئے ہمیشہ پابندی کے ساتھ پہنچتے رہے، اور اب تک یہ ساری آمد ورفت بالعموم لوکل بس کے ذریعہ رہی، گذشتہ چند سالوں سے آپ کے بعض خاص خدام طلباء پھر فضلاء کبھی کبھی موٹر سائیکل پر لانے لے جانے کی خدمت انجام دیدیا کرتے تھے، جن میں آپ کے دنیوی واُخروی ہم سفر مولانا محمد عرفان شہیدؒ کے علاوہ مولانا عبد الغفار صاحب، مولانا سہیل یوسف صاحب خصوصی اعزاز یافتہ ہیں۔

۱۹۹۸ء صالح مسجد میں اسکول وکالج کے طلباء کے لئے گرمیوں کی چھٹیوں میں چالیس روزہ دینی واخلاقی تربیتی کورس کی بنیاد رکھی، جو محدود عرصہ میں شہر کراچی پھر ملک کے مختلف شہروں اور پھر بیرون ملک تک پھیل گیا۔ یہ کورس اپنی افادیت کے علاوہ حضرت شیخ عطاء رحمۃ اللہ علیہ کے اخلاص وللّٰہیت کا مظہر بھی ہے۔

۱۹۹۹ء - ۱۴۱۹ھ کو جامعہ کی مجلس شوریٰ کے رکن منتخب ہوئے اور اپنے دوراندیشانہ مشوروں سے جامعہ کی علمی وروحانی ترقی میں اپنا وافر حصہ ملاتے رہے۔

۲۰۰۵ء - ۱۴۲۵ھ حضرت مولانا عبد القیوم چترالی نور اللہ مرقدہٗ کی مستقل علالت کے بعد

جامعہ کی مجلس شوریٰ نے زبردست اصرار کے ساتھ آپ کو جامعہ کے ناظم تعلیمات کے عہدہ کے لئے منتخب کیا، زبردست اصرار کی نوبت اس لئے آئی کہ لفظ عہدہ اور منصب آپ کے مزاج پر کوہِ گراں ہوتا تھا، انہیں بغیر عہدہ اور نام کے کام کرنا ایسے ہی پسند تھا جیسے عام لوگوں کو بغیر کام کے عہدہ اور نام پسند ہوا کرتا ہے۔ بہرحال مجلس شوریٰ کے فیصلے اور حضرت ڈاکٹر صاحب دامت برکاتہم کے شدید تاکیدی حکم کے سامنے آپ نے سرِ تسلیم خم کیا اور ناظم تعلیمات کے طور پر فرائض انجام دینا شروع کردیئے، اب اگلا مسئلہ یہ تھا کہ آپ کے مزاج کے مطابق، مفوضہ امور کسی مخصوص نشست کے بغیر بھی انجام دیئے جاسکتے ہیں، چنانچہ وہ ایک عرصہ تک ناظم تعلیمات کے لئے مقررہ نشست پر بیٹھنے کے لئے رضامند نہ ہوتے تھے، کیوں کہ اس وقت مولانا عبدالقیوم رحمہ اللہ شدید علالت کے باوجود بقیدِ حیات تھے۔

حتیٰ کہ بسا اوقات حضرت ڈاکٹر صاحب دامت برکاتہم استاذ کے روپ میں جاکر بیٹھنے کے لئے فرماتے تو امتثالِ امر کے لئے کچھ دیر بیٹھ جاتے، پھر حضرت مولانا عبدالقیوم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد حضرت ڈاکٹر صاحب کی خوشی اور دلجوئی کے لئے حضرت ڈاکٹر صاحب کی موجودگی میں کچھ دیر بیٹھتے اور قریبی احباب سے فرماتے کہ ''میں یہاں بیٹھتا ہوں تاکہ حضرت ڈاکٹر صاحب خوش ہوں'' بعد میں اس سے آسان تدبیر یہ اختیار کی کہ جب بھی حضرت ڈاکٹر صاحب کی موجودگی میں دفتر تشریف لاتے تو سیدھے حضرت ڈاکٹر صاحب کے سامنے جاکر بیٹھ جاتے، کچھ دیر راز و نیاز بھری گفتگو ہوتی اور گھنٹہ شروع ہونے پر اجازت لے کر گھنٹے میں چلے جاتے۔

۲۰۰۵ء/ ۱۴۲۶ھ میں حضرت الشیخ الشامزی شہید رحمہ اللہ کی شہادت باسعادت کے بعد دورہ حدیث کا درسی خلا پر کرنے کے لئے مجلس تعلیمی نے حضرت الاستاذ مولانا عطاء الرحمن صاحب نور اللہ مرقدہ کا انتخاب فرمایا، اتفاق کی بات ہے کہ حضرت مفتی ولی حسن ٹونکی رحمۃ اللہ علیہ کے خلا کو پر کرنے کے لئے جب حضرت شامزی شہید رحمۃ اللہ علیہ کا انتخاب ہوا تھا تو آپ کو بھی دورہ حدیث میں صحیح مسلم کا سبق دیا گیا تھا اور حضرت مفتی صاحب رحمہ اللہ کے بعد حضرت شیخ عطاء الرحمن رحمہ اللہ نے دورہ حدیث کے اسباق کا آغاز بھی اسی صحیح مسلم سے فرمایا، جو آپ کا حدیث شریف کا مستقل سبق تھا، اس کے علاوہ بعض مشائخ حدیث کی غیر موجودگی میں ان کے اسباق بھی پڑھاتے رہے، علاوہ ازیں جامعہ کے شعبہ بنات میں صحیح بخاری شریف کا سبق بھی آپ کے زیر درس تھا۔ بلاشبہ آپ کہنہ مشق استاذ اور لائق و فائق مدرس تھے۔ گوناگوں انتظامی مصروفیات اور ذمہ داریوں کے باوجود بڑے شغف کے ساتھ سبق میں جاتے، مدرسہ میں ہوتے ہوئے کبھی سبق کا ناغہ نہ فرماتے۔

۲۰۱۲ء/ ۱۴۳۳ھ رواں تعلیمی سال میں پچھلے کچھ عرصہ میں اتفاق سے متعدد اساتذہ کرام رخصت پر تھے، جن میں درجہ عالیہ اور درجہ عالمیہ کے کئی اساتذہ بھی شامل تھے، حضرت ناظم تعلیمات

صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے اسباق کے علاوہ ان اساتذہ کرام کے اسباق بھی خود پڑھائے، اس سال اتفاق سے مجھے حضرت استاذ محترم کا ارادی اور غیر ارادی طور پر بہت ہی قرب رہا، جامعہ کی مصروف عملی زندگی کے باوجود، دن میں متعدد بار دیر دیر تک ملاقات اور صحبت میسر آتی رہی، میں آپ کے اسباق کی کثرت اور آپ کی ہمت کو دیکھ دیکھ کر حیران ہوتا رہتا تھا، کہ ہم اپنی محدود انتظامی ذمہ داریوں کے ساتھ محدود اسباق کے لئے اتنی پابندی نہیں کر پاتے جتنی کہ حضرت الاستاذ رحمہ اللہ اپنے اسباق کی پابندی فرمارہے ہوتے تھے۔ جب آپ دوسرے اساتذہ کرام کے اسباق پڑھا رہے تھے تو بسا اوقات ایک ہی گھنٹے میں دو دو درسگاہوں میں جانا ہوتا، اس بے پناہ تدریسی مصروفیت کے بارے میں اب یہ حکمت سمجھ میں آتی ہے کہ ہمارے محاوروں کے مطابق انسان اپنی اجل قریب آنے پر جلدی جلدی اپنا رزق سمیٹتا ہے، اسی طرح حضرت الشیخ استاذ محترم حضرت مولانا عطاء الرحمٰن نور اللہ مرقدہٗ کی اجل قریب آکر جھانکنے لگی تھی، اس لئے وہ بڑی تیزی کے ساتھ اپنی روحانی ذریت میں اضافہ کرتے ہوئے اپنی پیچھے ''علم ینتفع بہ'' کے سلسلۂ خیر، کا خاص تکوینی ہدف، پورا کرنا چاہ رہے تھے۔ یہ گویا تکوینی معاملہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی باقیات صالحات کے روحانی سلسلے میں جن جن طلباء و طالبات کو شامل کرنا تھا، بہت کم وقت میں اس کے مواقع پیدا ہوئے۔ ایسے تمام طلباء و طالبات اس تکوینی سعادت مندی پر مبارک باد اور حضرت الاستاذ کے داغِ مفارقت پر تعزیت کے مستحق بھی ہیں۔ **فعظم اللہ اجرهم واجرنا واحسن عزاء هم وعزاء نا و اغفر لشیخنا و مرافقیه مغفرة ظاهرة و باطنة لا تغادر ذنباً.**

~~۲۰۱۲ء~~ ۲۵ ؍ جمادی الاولیٰ ~~۱۴۳۳~~ھ بروز جمعرات جامعہ کے ششماہی امتحان کے نتائج کے اعلان کا دن تھا، حسب معمول ابتدائی گھنٹے آج بھی پڑھائے، عام طور پر صبح مدرسہ آتے ہوئے اکثر راستے میں ملاقات ہو جایا کرتی تھی، مگر پچھلے کچھ عرصہ سے مجھے بروقت مدرسہ پہنچنے میں دیر سویر ہونے لگی تھی، لیکن حسن اتفاق کہ آج حضرت شیخ رحمہ اللہ، مدرسہ میں داخل ہونے کے لئے دروازے سے داخل ہو ہی رہے تھے کہ میں بھی دروازے پر پہنچ آیا، حسب عادت شفقت بھری دلکش مسکراہٹ کے ساتھ خوش آمدید کہا، پھر بعض امور سے متعلق کچھ ارشادات اور کچھ ہدایات دیتے ہوئے جامعہ کے احاطہ میں واقع کلینک تک آئے اور وہاں سے درجہ رابعہ میں ''شرح الجامی'' کا سبق پڑھانے چلے گئے، پڑھا کر واپس آئے تو دوبارہ ملاقات ہوئی، پھر ایک قضیہ کی بابت کچھ ہدایات اور مشورے دیئے، پھر دفتر میں آئے، پھر دارالحدیث چلے گئے، جہاں نتائج کے اعلان کے سلسلے میں اساتذہ کا اجتماع تھا، جاتے ہوئے فرمایا کہ آپ حضرات (چند ذمہ دار اور راقم) یہ قضیہ حل کریں، آپ لوگوں کو اساتذہ کے اجتماع میں آنے کی ضرورت نہیں۔

اساتذہ کے اجتماع سے فارغ ہوکر پھر ایک مشاورتی سلسلے میں جامعہ کے تاریخی مہمان خانہ (جہاں کئی اکابر نے اپنے آخری سفر سے پہلے قیام فرمایا تھا) میں دیر تلک بیٹھے رہے، زیر بحث قضیے کے پس منظر، پیش منظر اور مختلف اطراف و جوانب پر سیر حاصل ناصحانہ گفتگو فرمائی، جس میں ماضی کی کئی یادیں اور مستقبل کے کئی راہ نما اصول پنہاں تھے، پھر یہاں سے گھر کی طرف نکلے، آہستہ آہستہ چلتے رہے، کئی واقعات اور حقائق یوں بتاتے گئے جیسے کوئی انسان پیغام یا امانت پہنچا رہا ہو، جو موضوع باقی تھا اس کو میرے گھر کے باہر سیڑھیوں پر کھڑے کھڑے پورا فرمایا، یہ معمول صرف آج کی الوداعی ملاقات کا نہیں، بلکہ سال بھر تقریباً یہی معاملہ رہا، جس کی تفصیل مستقل نشست کی متقاضی ہے۔

میں حضرت استاذ محترم کی ان لمبی لمبی باتوں اور ملاقاتوں کی حکمت سمجھنے کی اب جو کوشش کرتا ہوں تو ان کے سلسلۂ گفتگو کا ایک جملہ معترضہ فوراً سامنے آجاتا ہے ''مولوی صاحب! یہ باتیں جامعہ کی امانت ہیں، آپ لوگوں کو معلوم ہونی چاہئیں''۔ اب اندازہ ہوتا ہے کہ آپ کی باتیں جامعہ کی امانت ہی نہیں، بلکہ آپ کی طرف سے وصیت بھی تھیں۔ **فإنا لله وإنا إليه راجعون. أللّٰهم اجعلنا خير خلف لخير سلف.**

۲۰۱۲ء ۲۶/ جمادی الاولی ۱۴۳۳ھ جمعہ کا دن تھا، جمعہ کا وعظ فرمایا، سامعین کو اجل کی اچانک آمد کی حقیقت سمجھائی اور آخری سفر سے پہلے مختصر سفر کے لئے پابہ رکاب ہوئے، دو نہایت ہی میٹھے رشتے بھی شریک سفر تھے، ایک طرف بہن جیسا مجسم محبت والفت رشتہ، دوسری طرف جاں فشانی اور جاں نثاری کی چلتی پھرتی تصویر، حقیقی معنوں میں شاگرد اور خادمِ سفر وحضر برادرم مولانا مفتی محمد عرفان حمید صاحب رحمۃ اللہ علیہ تھے۔

جامعہ سے سفر پر رخصت ہوتے ہوئے آج خلافِ معمول بے چینی، اضطراب اور حساسیت نمایاں تھی، یہی کیفیت ائیر پورٹ پر اندر جانے کے بعد بھی رہی، جو رخصت کرنے والے باہر بھی محسوس کررہے تھے، شام تقریباً ۵/ بجے جہاز کی روانگی کا مقررہ وقت تھا، نجی ائیر لائن کا ٹکٹ تھا، عام طور پر مقررہ وقت سے تاخیر ایسی ایئر لائنوں کا معمول ہے، مگر آج بھوجا ائیر لائن ۱۲۷/ انسانوں کو اپنے ''مشؤم شکم'' میں چھپاتے ہی مقررہ وقت سے ۵/ منٹ پہلے اڑا اور اٹھارہ سو کلومیٹر فی گھنٹہ کی زمینی رفتار سے اسلام آباد کی طرف فضا میں تیرنے لگا، اسلام آباد ائیر پورٹ کی حدود صرف ۹/ منٹ کے فاصلے پر رہ گئی تھیں کہ بھوجا ائیر لائن گھیرے سیاہ بادلوں میں موت سے مقابلہ کرنے لگی، لیکن موت سے موت کے علاوہ کون مقابلہ کرسکتا ہے، آناً فاناً موت کے ایک تھپیڑے نے بھوجا ائیر لائن کو آسمان سے زمین کی طرف لڑھکا دیا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے: ''**من كان اخر كلامه لا إله إلا الله دخل**

الجنة''. ان شاء اللہ! یہ قافلۂ آخرت ''الصادق المصدوق'' صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد کے مطابق سیدھا جنتی ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک اور ارشاد گرامی کے مطابق بلندی سے گر کر یا آگ کی تکلیف سہہ کر جان جانِ آفرین کے سپرد کرنے والے مسلمان، شہداءِ امت ہیں۔ اور شہادت ہر مومن کا مقصود و مطلوب ہے، اس لئے ہم سمیت تمام مرحومین کے لواحقین کے لئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ ارشادات گرامی سرمایۂ تسلی وصبر ہیں، کیوں کہ مومن کا جنت میں پہنچ جانا اور وہ بھی رتبۂ شہادت کے ساتھ یہ اتنی بڑی کامیابی وسعادت مندی ہے کہ اس کے مقابلے میں فطری دکھ درد جتنا زیادہ بھی ہو وہ ہیچ ہے، اس لئے ہم سب کو اپنے مرحومین کے حق میں وہی کلمات کہنے چاہئیں جو اللہ تعالیٰ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سکھائے اور بتائے ہیں، پس ان ارشادات کی روشنی میں ہم یہ دعا کرتے ہیں: **"اللّٰھم اغفر لشیخنا ومرافقیه، وارفع درجتھم فی المھتدین، واخلفھم فی عقبھم فی الغابرین واغفرلنا ولھم یا رب العٰلمین! وافسح لھم فی قبورھم و نور لھم فیھا. آمین".**

۲۰۱۲ء بروز ہفتہ ۱۲/ بجے دن جامع مسجد فاروق اعظمؓ آئی نائن، اسلام آباد میں حضرت شیخ عطاء الرحمن صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی نماز جنازہ ادا کی گئی، جس میں مقامی علماء ومشائخ کے علاوہ دور دراز سے آپ کے تلامذہ اور عوام بھی شریک ہوئے، جو ہزاروں کا مجمع تھا، یہاں آپ کی نماز جنازہ قائد جمعیت حضرت مولانا فضل الرحمن صاحب مدظلہم نے پڑھائی، پھر آہوں اور سسکیوں کے ساتھ یہ اجتماع منتشر ہوا۔ کراچی سے پہنچے ہوئے کئی اساتذہ، متعلقین اور سیکڑوں فضلاء وطلباء اپنے محبوب استاذ کے جسد خاکی کے پیچھے پیچھے بوجھل قدموں اور ترآنکھوں کے ساتھ بابوزئی مردان کی طرف روانہ ہوئے، تقریباً شام ۵/ بجے استاذ محترم کے آبائی گاؤں پہنچے، جہاں اسلام آباد کے اجتماع سے کئی گنا بڑا اجتماع موجود تھا، دور دراز سے بڑے بڑے قافلے پرائیویٹ گاڑیوں کے علاوہ ویگنوں اور بسوں میں بھر بھر کر پہلے سے وہاں پہنچ چکے تھے اور یہ سلسلہ مزید جاری تھا۔ گاڑیوں کی پارکنگ کے لئے روڈ اور قریب کے کھیت ناکافی ہو رہے تھے، علماء صلحاء طلباء اور عوام کا جم غفیر ایسا کہ تاحد نگاہ انسانی سر بلکہ سفید ٹوپیاں ہی دکھائی دے رہی تھیں، اس جم غفیر نے ۶/ بجے شام استاذ محترم حضرت مولانا عطاء الرحمن صاحب نور اللہ مرقدہ کی نماز جنازہ ادا کی، حضرت مولانا شیر علی شاہ صاحب (شیخ الحدیث دار العلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک) نے نماز جنازہ کی امامت کروائی اور آج کا سورج غروب ہوتے ہی علم وعمل، شفقت ومحبت اور فدائیت وفنائیت کے پیکر، بزم بنوری کی ایک روشن قندیل کا جسد خاکی اپنے آخری مسکن میں پہنچ کر ہم سے اوجھل ہوگیا اور اپنی پیچھے کئی تاریکیاں اور ان تاریکیوں میں بس اپنی یادوں کے اجالے چھوڑ گیا۔ **فإنَّ لله ما أخذ وله ما أعطی وکل شیء عنده بأجلٍ مسمیً.**